۳۹

حمدِ کامل کیلئے صفاتِ الٰہیہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن، الرَّحْمٰن، الرَّحِیْم اورمَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کا مظہر بننا ضروری ہے

(فرمودہ ۲۳ /اکتوبر ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

خطبہ شروع کرنے سے پہلے میں اس امر کا اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ نماز جمعہ کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوگا اس لئے جمعہ کی نماز کے ساتھ میں عصر کی نماز بھی پڑھادوں گا اور نماز کے بعد چند نکاحوں کا اعلان کرنا ہے۔ پہلے اُن کا اعلان کروں گا پھر دعا کے بعد مجلس شوریٰ کے اجلاس کیلئے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال کی طرف جاؤں گا۔

اِس کے بعد میں دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ دنیا میں کوئی تعریف کسی انسان کو حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس میں چار باتیں نہ پائی جائیں۔ حقیقی تعریف ہمیشہ چار باتوں سے ہی ہوتی ہے جن کا ذکر سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں سے کہو میری حمد کریں اور کہیں کہ سب کامل اور سچی تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں کیونکہ اس میں چار باتیں پائی جاتی ہیں وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے ایک، الرَّحْمٰن ہے دو، الرَّحِیْم ہے تین اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے چار۔ چونکہ یہ چار باتیں اس میں پائی جاتی ہیں اس لئے وہ تعریف کا مستحق ہے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ وہ خدا جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے جس کا احساس انسانی زندگی

کے ہر لمحہ اور ہر ساعت پر اور انسانی جسم کے ہر ذرہ پر ہے اس خدا کی تعریف کے ساتھ بھی دلیل دی گئی ہے کہ وہ سچی تعریف کا مالک ہے کیونکہ اس کے اندر یہ چار باتیں پائی جاتی ہیں اگر یہ نہ ہوتیں تو وہ تعریف کا مستحق نہ ہوتا تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ انسان جو اس قدر محدود دائرہ عمل رکھتا ہے اور اگر کوئی حُسن اس میں ہو تو نہایت ناقص ہوتا ہے، جس کی خوبیاں نہایت مشتبہ ہوتی ہیں وہ یہ امید کرتا ہے کہ ان چار باتوں کے بغیر ہی اس کی تعریف ہو جائے، نہ وہ اپنے درجہ کے مطابق رَبُّ الْعٰلَمِیْن بنے، نہ اپنی حیثیت کے مطابق رحمٰن ہو، نہ رحیم اور نہ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہو مگر پھر بھی لوگ کہیں کہ واہ یہ کیا اچھا آدمی ہے۔ جھوٹ سے تو یہ بات ہوسکتی ہے جھوٹی تعریف انسان ہر طرح کرا سکتا ہے۔ غریب، کمزور سے جو چاہا کہلوا لیا مگر حقیقی تعریف نہیں کرا سکتا۔

ایک احمدی دوست کا ہی قصہ ہے ان کے ایک بھائی مخلص احمدی تھے ان کی وجہ سے وہ احمدی تو ہو گئے مگر قادیان آنے کی توفیق ان کو نہ ملی اور نہ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھنے کا موقع ملا۔ ان کی دو بیویاں تھیں اور ان کا طریق یہ تھا کہ کسی ذرا سی بات پر ناراض ہو کر بیوی کو مارنے لگتے اور جس کا قصور سمجھتے اسے مارنے کے بعد دوسری کو بھی مارتے اور وہ سبب پوچھتی کہ میرا تو کوئی قصور نہیں مجھے کیوں مارتے ہو؟ تو کہتے کہ تُو اس پر ہنسے گی اس لئے تجھے مارتا ہوں۔ وہ ایک کو تو قصور کی وجہ سے مارتے تھے اور دوسری کو اس لئے کہ وہ ہنسے نہیں۔ ایک دفعہ قادیان سے کوئی دوست ان کے پاس گئے اور جب ان کو علم ہؤا کہ یہ بیویوں کو مارتے ہیں تو انہوں نے نصیحت کی کہ یہ بہت بُری بات ہے اور بڑا ظلم ہے اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے محبت اور پیار کا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اگر آپ قادیان جاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم سنتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے جو آپ کر رہے ہیں۔ وہ شخص چونکہ دل سے نیک تھا اس لئے اس بات کا اس پر بڑا اثر ہؤا۔ اس نے یہ باتیں سُنیں اور رو پڑا اور کہنے لگا کہ اب کیا کروں۔ اُس دوست نے بتایا کہ اب تو یہی طریق ہے کہ اپنی بیویوں سے معافی مانگیں اور توبہ واستغفار کریں۔ وہ گھر میں گئے اور دونوں بیویوں کو بلا کر پاس بٹھایا اور کہا کہ مجھ سے بہت بڑا قصور ہؤا اور اتنا بڑا گناہ ہؤا ہے کہ شاید میری بخشش بھی نہ ہو سکے۔ اب مجھے پتہ چلا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بیوی کو مارنا نہیں چاہئے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ ان امور میں جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے سو میں بہت گنہگار

ہوں اب تم دونوں مجھے معاف کر دو۔ مگر ان کی بیویاں شاید بوجہ اَن پڑھ ہونے کے خاوند کی طبیعت کو پڑھنے سے قاصر تھیں انہوں نے خیال کیا کہ یہ اب نرم اور ڈھیلا ہے اب ہمارے لئے بدلہ لینے کا موقع ہے کہنے لگیں اب جو معافی مانگنے آئے ہو پہلے ہی کیوں اِس قدر ظلم کرتے رہے ہو پھر ایک کو تو قصور پر اور دوسری کو بِلا وجہ ہی مارتے رہے ہو پہلے ہی خیال کر لینا چاہئے تھا۔ معافی مانگنے کیلئے ان کا جوش چونکہ عارضی تھا اور نصیحت کے ماتحت تھا بیویوں سے جب یہ جواب سنا تو سامنے لاٹھی پڑی تھی کہنے لگے معاف کرتی ہو یا اس لاٹھی سے تمہاری ہڈیاں توڑ دوں۔ بیویوں نے جب یہ دیکھا کہ پھر وہی دَورہ ہونے لگا ہے تو کہنے لگیں آپ نے آخر قصور کون سا کیا ہے جس کی معافی مانگتے ہیں۔ آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ تو اس قسم کی تعریف تو انسان کروا ہی لیتا ہے یہ کون سا مشکل کام ہے۔ تعریف وہ ہے جو دل سے نکلتی ہے اور علم کے ماتحت ہوتی ہے۔

سچی تعریف ہمیشہ دو طرح سے ہی ہوسکتی ہے ایک علم کے ماتحت ہو اور دوسرے دل سے نکلتی ہو سچی تعریف کیلئے یہ دو شرطیں ایک وقت میں ضروری ہیں ممکن ہے ایک تعریف علم کے ماتحت ہو مگر دل سے نہ نکلے اور یہ بھی ممکن ہے ایک تعریف دل سے نکلے مگر علم کے ماتحت نہ ہو۔ ایک گاؤں میں چلے جاؤ کئی پارٹیاں نظر آئیں گی ایک دوسری کو قتل کرنے والی اور مال واسباب لُوٹنے والی۔ ان میں سے ہر ایک مجلس میں بیٹھو وہ اپنے لیڈر کی تعریف کرتی ہوگی کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں، بڑے شریف ہیں اور بڑے نیک ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں جس نے دوست سے نیکی کی وہ نیک ہے دشمن سے ظلم کو بھی وہ نیکی سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دشمن سے جتنا ظلم بھی کیا جائے وہ نیکی ہی ہے۔ ڈاکو، فاسق، فاجر اور بدمعاش کی تعریف میں ان کی زبانیں خشک ہوتی ہیں وہ تعریف دل سے تو کرتے ہیں مگر علم کے ماتحت نہیں کیونکہ وہ جانتے ہی نہیں شرافت اور نیکی کیا ہے۔ دوسرا پہلو علم کا یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان کو اس چیز کا پتہ ہی نہیں ہوتا وہ ایک چیز کو دیکھتا ہے کہ روشن اور خوبصورت ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ اپنی ذات میں زہر ہے مثلاً ایک سانپ ہوتا ہے بچہ اُس پر ہاتھ پھیرتا اور سمجھتا ہے کہ کیسا نرم ہے مگر وہ اُسے ڈس لیتا ہے اُس کی ذات کے اندر جو برائیاں ہوتی ہیں ان کا اسے علم نہیں ہوتا۔ یہ علم کی کمی کی دوسری مثال ہے کہ انسان اس چیز کی حقیقت سے ہی ناواقف ہوتا ہے۔ سانپ کی چمکتی ہوئی آنکھیں اور نرم جسم دیکھ کر بچہ خیال کرتا ہے کہ کیسا

خوبصورت ہے مگر اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ ابھی ڈس کر اُسے مار دے گا۔ تو علم کی کمی کی وجہ سے یا علم کی غلطی کی وجہ سے لوگ تعریف کر دیتے ہیں۔ پھر کبھی تعریف علم کے ماتحت تو ہوتی ہے مگر دل سے نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک شخص بھوکا ہے اُسے کئی روز کا فاقہ وہ دیکھتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے بھوکے کو کھانا کھلا رہا ہے اب اس کی زبان تو کہتی ہے کہ کیسا نیک دل آدمی ہے مگر اس کا دل یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ کاش! مجھے بھی کھلاتا گو اس کی پوری مثال نہیں مگر اس سے مشابہہ مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ ہے جو قرآن کریم میں آتا ہے اور چار پرندوں کے واقعہ سے مشہور ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا کہ آپ مُردوں کو کس زندہ کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم کو میری طاقتوں پر ایمان نہیں؟ آپ نے جواب دیا ایمان تو ہے وَلٰـکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ[۱] یہ زبان کا ایمان ہے میں دیکھتا ہوں کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اقرار کرنا پڑتا ہے کہ کرتے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ یہ طاقت میری اولاد کی نسبت بھی استعمال ہو، میں چاہتا ہوں کہ یہ نشان اپنے نفس میں دیکھوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی قوم چار دفعہ مُردہ ہوگی اور ہم اسے چار دفعہ زندہ کریں گے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان کے ذریعہ حضرت ابراہیم کی آواز بلند ہوئی اور یہ مُردہ زندہ ہوا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کی آواز بلند ہوئی اور یہ مُردہ زندہ ہوا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ وہی آواز بلند ہوئی اور اس مُردہ قوم کو زندگی ملی اور چوتھی بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ابراہیمی آواز پھیلی اور وہی مُردہ زندہ ہوا۔ چار دفعہ ابراہیمی نسل کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آوازیں دیں اور چاروں دفعہ وہ دَوڑ کر جمع ہوگئیں۔ پہلا پرندہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلایا اور اطمینانِ قلب حاصل کیا وہ موسوی اُمت تھی، دوسرا پرندہ عیسوی اُمت تھی، تیسرا پرندہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلالی ظہور کی حامل اور مظہر) محمدی جماعت ہے اور چوتھا پرندہ (آپ کے جمالی ظہور کی مظہر) جماعت احمدیہ ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے قلب کو راحت پہنچائی اور آپ نے کہا کہ واقعی میرا خدا زندہ کرنے والا ہے۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا تھا کہ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ جس کا مطلب یہی ہے کہ حضور! زبان تو اقرار کرتی ہے اور میں ہر روز دیکھتا ہوں کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں پھر مجھے کس طرح انکار ہوسکتا ہے کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں لیکن اگر میری اولاد ہدایت نہ پائے تو

مجھے اطمینانِ قلب کس طرح حاصل ہوسکتا ہے۔ پس اطمینانِ قلب کیلئے میں نشان مانگتا ہوں۔ میری عقل وفکر، میرے ہوش وحواس اور میرا مشاہدہ کہتا ہے کہ آپ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ میں خود کیا تعریف کروں جب تک یہ پتہ نہ لگے کہ میری اولاد میں بھی یہ نشان ظاہر ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا دماغ ہی نہیں بلکہ دل بھی متوجہ ہو اور میرے دل میں عشق پیدا ہو اور دل اُسی وقت توجہ کرتا ہے جب اپنی ذات پر احسان ہو۔ تو جب تک علم کے ساتھ اور دل سے نہ ہو تعریف، تعریف نہیں ہوسکتی اور اس کیلئے ان چار باتوں کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں بیان کی ہیں اور جن سے قلب کی بھی اور دماغ کی بھی تسلی کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حمد کیلئے ضروری ہے کہ جس کی حمد کی جائے اُس کے اندر یہ چاروں کمالات ہوں۔

کامل حمد کیلئے ایک ضروری چیز تو یہ ہے کہ اس کا احسان محدود نہ ہو اور وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہو ہر عقلمند سوچ سکتا ہے کہ حمد کامل اس کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ فرض کرو دنیا میں دس آدمی ہی آباد ہیں اب ان میں سے اگر نو ہی تعریف کریں اور ایک نہ کرے یا آٹھ تعریف کریں اور دو نہ کریں یا سات تعریف کریں اور تین نہ کریں تو یہ حمدِ کامل نہ ہوسکے گی۔ کامل حمد جبھی ہوگی کہ دسوں تعریف کریں تو اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا کہ وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے وہ سب جہانوں کا رب ہے نہ اِسی زمانہ کا بلکہ گزشتہ اور آئندہ زمانوں کا بھی اور نہ صرف انسانوں کا بلکہ سب مخلوق کا وہ ربّ ہے جو چیز بھی عالمِ وجود میں ہے وہ سب کا ربّ ہے اور جب اللہ تعالیٰ سب کا ربّ ہے تو کونسی چیز اُس کی حمد سے باہر رہ سکتی ہے۔ پس حمدِ کامل کیلئے پہلے رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہونا اور پھر رحمٰن اور رحیم اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہونا ضروری ہے۔

رحمٰن کے معنے ہیں بغیر محنت کے وہ فضل کرتا ہے اور رحیم کے معنے ہیں کہ انسانی کاموں کے اعلیٰ بدلے دیتا ہے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے معنے ہیں کہ وہ حساب لیتا ہے تو سختی نہیں کرتا بلکہ نرمی سے کام لیتا ہے۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے بغیر انسان کی تسلی نہیں ہوسکتی۔ کسی کا ماضی خواہ کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو مستقبل خوف کے نیچے ہی رہتا ہے۔ تو مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کہہ کر مستقبل بھی خوشکن کر دیا اور بتا دیا کہ انجام بھی اس کے ہاتھ میں ہے اگر نیک نیتی سے کام لو تو جو غلطیاں رہیں گی ان کی تلافی بھی وہ خود کر دے گا۔ اس کے بیسیوں معنے ہیں جن میں سے ایک درجن کے قریب

مَیں نے اپنے اس درس میں بیان بھی کئے ہیں جو الفضل میں شائع ہونا شروع ہوا ہے لیکن ایک معنے اس کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کے انجام کو اپنا انجام قرار دے لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا انجام میرا انجام ہے اگر تم اپنے دل میں عشق پیدا کرلو تو تمہارے انجام کو میں اپنا انجام قرار دے لوں گا۔ اگر تم ہارے تو گویا مَیں ہارا، اگر تم پر الزام آئے گا تو مجھ پر آئے گا، اگر تم پر تباہی آئی تو گویا میری بادشاہت پر تباہی آئے گی، تمہارا انجام اب تمہارا نہیں بلکہ اسے میں نے اپنا انجام بنالیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق رسول کریم ﷺ نے جنگِ بدر میں شامل ہونے والے صحابہؓ کو فرمایا کہ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ [۲] جاؤ جو چاہو کرو اس کا مطلب یہ نہیں یہ جاؤ بے شک ڈاکے ڈالو، چوریاں کرو، قتل و غارت کرو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی کتنا بھی زور لگالے تم گمراہ نہیں ہوسکتے تمہارا انجام اللہ تعالیٰ نے اپنا انجام قرار دے لیا ہے اب تم گمراہ نہیں ہوسکتے۔

اس نکتہ کے ماتحت اس بدری صحابی کا واقعہ دیکھو جس نے مکہ والوں کو اسلامی لشکر کے آنے کے متعلق اطلاع دے دی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا تھا کہ اہلِ مکہ کو اسلامی لشکر کے آنے کی کوئی اطلاع نہ دی جائے۔ لیکن ایک بدری صحابی نے مکہ میں اپنے رشتہ داروں کو رُقعہ لکھ بھیجا کہ آنحضرت ﷺ اپنی فوج سمیت آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو الہاماً آگاہ کردیا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض اور صحابہؓ کو بلایا اور بتایا کہ فلاں رستہ پر اور فلاں منزل پر تمہیں ایک عورت ملے گی اُس کے پاس ایک رقعہ ہوگا وہ لے آؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب اُس عورت کے پاس پہنچے اور رُقعہ کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ میرے پاس کوئی رُقعہ نہیں ہے۔ اُسے دھمکیاں بھی دی گئیں مگر وہ انکار کرتی رہی، لالچ بھی دیئے گئے مگر اُس نے نہ مانا۔ صحابہ نے کہا کہ ممکن ہے کہ کوئی اور عورت ہو اَور کسی اور طرف سے نکل گئی ہو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا مَیں یہ بات نہیں ماننے کا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ الہامِ الٰہی سے خبر دی تھی اور یہ ممکن نہیں کہ وہ عورت نکل کر جاسکے اور اُسے کہا کہ میں ابھی ننگا کرکے تیری تلاشی لوں گا اس لئے بہتر ہے کہ رُقعہ دے دے اس سے وہ ڈر گئی اور گُت کھول کر اس میں سے رُقعہ نکال کر دے دیا اس میں یہ خبر لکھی تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس صحابی کو بلایا اور پوچھا یہ تم نے لکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ تو انہوں نے عرض

کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ نے جو احتیاطیں کیں یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ورنہ جس خدا نے آپ کے ساتھ فتح کا وعدہ کیا ہے مکہ والے اُس کی طاقتوں کا مقابلہ کہاں کر سکتے ہیں مکہ میں میرے کوئی رشتہ دار ایسے نہیں ہیں جو میرے بیوی بچوں کی حفاظت کر سکیں باقی سب صحابہ کے رشتہ دار مکہ کے بڑے بڑے رئیس ہیں مَیں نے اِس لئے رُقعہ بھیج دیا تھا کہ اِس وجہ سے وہ میرے بیوی بچوں کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔ باقی خدا کی بات تو پوری ہو کر ہی رہے گی اس لئے میرا رُقعہ بھیج دینا کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے اسلام کو نقصان پہنچ سکے۔

عام حالات میں یہ ایک منافقانہ بات ہے اور اِس جواب کو سُن کر انسان کہے گا کہ بہانے بناتا ہے لیکن اس میں شبہ بھی کیا ہے کہ یہ بات سچی تھی خدا تعالیٰ کے وعدہ کو کون ٹلا سکتا تھا مگر چونکہ عام حالات میں یہ ایک منافقانہ بات تھی اس لئے صحابہؓ نے اپنی تلواریں نکال لیں کہ اجازت ہو تو ابھی سر کاٹ دیں مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا آرام سے بیٹھو تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بدری ہے۔[۳] - یہ واقعہ خود بتاتا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ کا کیا مطلب ہے۔ اس صحابی سے غلطی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو الہام کے ذریعہ سے اطلاع دے دی اور وہ رُقعہ واپس آ گیا اس عورت نے جا کر یہ سارا واقعہ مکہ میں بیان تو کر ہی دیا ہوگا کہ اس طرح فلاں شخص نے مجھے ایک رُقعہ دیا تھا جس میں یہ لکھا تھا اور اس طرح وہ مجھ سے واپس لے لیا گیا اور اس طرح وہ صحابی اس رُقعہ سے جو فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے وہ بھی حاصل ہو گیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے اس رُقعہ کے پہنچنے کے گناہ سے اُس صحابی کو بھی بچا لیا۔ آنحضرت ﷺ نے کئی کئی منزلیں ایک ایک دن میں طے کیں تا مکہ والوں کو خبر ہونے سے پیشتر ہی پہنچ جائیں۔ تو اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ میں یہی بتایا تھا کہ بدری صحابی اگر کوشش بھی کریں تو اُن سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہوگی جو انہیں گنہگار بنا دے۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر یہ رُقعہ پہنچا تو وہ صحابی گنہگار رہو گا اس لئے رسول کریم ﷺ کو حکم دیا کہ بھیجو علیؓ کو اور رُقعہ واپس منگوا لو۔ یہ مثال ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اس مقام پر پہنچ جائے اللہ تعالیٰ اُس سے گناہ سرزد ہونے ہی نہیں دیتا۔ ایک صحابی نے غلط فہمی کی وجہ سے ایک ایسا فعل کیا جو اُسے گناہگار بنانے والا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم جاری کر کے اسے بچا لیا۔ تو مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے انسان کے انجام کو اللہ تعالیٰ اپنا انجام قرار دے لیتا ہے۔

مقبرہ بہشتی کیلئے وصیت بھی دراصل اسی کے ماتحت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر وصیت کرنے والا گنہگار ہو جائے تو پھر؟ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے شخص کے انجام کو اللہ تعالیٰ اپنا انجام قرار دے لیتا ہے۔ گندہ شخص اگر وصیت کر دے تو وصیت قبول کر لینے والا گنہگار ہوگا لیکن وصیت کرنے والا اپنی نیت کے مطابق ضرور جنت میں جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ بعض اشخاص کے انجام کو اپنا انجام قرار دے لیتا ہے۔ بالکل ممکن ہے کہ اگر کوئی موصی گنہگار ہو تو اللہ تعالیٰ موت کے وقت فرشتوں سے تلقین کرا کر اُسے توبہ کا موقع دے دے اور وہ جنت میں چلا جائے یا اگر وہ اس قابل نہیں تو موت سے قبل اس کی وصیت منسوخ کرا دے۔ پس مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن کے اَن گنت معنے ہیں۔ بیسیوں کہنا قرآن کریم کی ہتک ہے جن میں سے ایک یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے انجام کو اپنا انجام قرار دے لیتا ہے۔ یہ چار باتیں ہیں جن کی وجہ سے انسان حمد کا مستحق ہوسکتا ہے لیکن تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے بغیر ہی ان کی تعریف ہو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق اظہارِ نفرت کیا ہے جو کوئی کام تو کرتے نہیں لیکن تعریف کی خواہش رکھتے ہیں۔

میں اپنی جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ تعریف کا احساس قدرتی ہے بے شک یورپین فلاسفر کہتے ہیں کہ انسان کو تمام قسم کی تعریفوں سے مستغنی ہونا چاہئے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ خدا کی تعریف سے بھی مستغنی ہونا چاہئے۔ حقیقی تعریف سے مستغنی ہونے والا انسان احمق کہلائے گا۔ تعریف کا جذبہ طبعی ہے حتّٰی کہ رسول کریم ﷺ نے تو اسے اتنی اہمیت دی ہے کہ فرمایا جس شخص کے متعلق چالیس مؤمن کہیں کہ وہ نیک تھا وہ ضرور جنت میں جائے گا گویا جنت کو بھی شہادت پر منحصر کر دیا لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ تعریف کا جذبہ چونکہ جُزوِ فطرت ہے اس لئے چالیس مؤمن جس کی تعریف کریں اُس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے کیونکہ فطرت اللہ تعالیٰ سے ہی آتی ہے۔ پس جب یہ فطری جذبہ ہے تو اسے پورا کرنے کے سامان بھی کرنے ضروری ہیں اور وہ سامان یہی ہیں کہ مؤمن کا احسان محدود نہ ہو۔ انسان اور خدا میں یہی فرق ہے کہ خدا کا احسان ہر چیز پر براہِ راست ہوتا ہے مگر انسان کے اعمال محدود ہیں اس لئے اُس کا احسان ہر چیز پر براہِ راست نہیں ہوسکتا اس وجہ سے وہ ان معنوں میں تو رَبُّ الْعٰلَمِيْن نہیں

ہوسکتا لیکن اسے چاہئے کہ وہ ان معنوں میں تو رَبُّ الْعٰلَمِیْن بنے کہ جسے اس کے ساتھ واسطہ پڑے اُس کے ساتھ وہ ربوبیت کا معاملہ کرے۔ اس کے بعد جن لوگوں سے اس کا واسطہ نہیں پڑا اُن کو بھی اللہ تعالیٰ اسی شاخ میں شامل کردے گا۔ مثلاً اُس کا واسطہ ایک ہزار انسانوں سے پڑا ہے اور وہ ان کے ساتھ ربوبیت کا معاملہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے رجسٹر میں یہی لکھے گا کہ وہ تمام مخلوق سے ربوبیت کا معاملہ کرتا ہے۔

دوسرا طریق اس کا یہ ہے کہ عمل کی طاقت جہاں محدود ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے خیال کی طاقت کو غیر محدود پیدا کیا ہے۔ آریہ اعتراض کرتے ہیں کہ انسانی اعمال محدود ہیں پھر ان کا اجر کس طرح غیر محدود ہوسکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کا یہی جواب دیا ہے کہ انسان کے اعمال بے شک محدود ہیں مگر اس کی نیت محدود نہیں انسان نے کب کہا تھا کہ ساٹھ یا ستر سال کی عمر میں اُسے وفات دے دی جائے اس کی نیت غیر محدود تھی اور ارادہ غیر محدود عمل کرنے کا تھا اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ کا وعدہ اسے غیر محدود جنت دینے کا تھا۔ اب خدا تو اسے غیر محدود جنت دینے پر قادر ہے لیکن انسان غیر محدود عمل کرنے پر قادر نہیں۔ خدا تعالیٰ جب چاہے اسے وفات دے سکتا ہے۔ پس اس کی اس کمزوری کا فائدہ بھی اللہ تعالیٰ اسے ضرور دے گا۔

تو دوسرا ذریعہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن بننے کا ارادہ ہے۔ تمہارے دل میں یہ جوش ہونا چاہئے کہ تمام دنیا کو ہدایت دی جائے، تمام دنیا کو آرام اور سکھ پہنچایا جائے، تمام مخلوق کی ترقی کا موجب بنا جائے۔ اب اگر تمہارا ارادہ ہزار اشخاص کو فائدہ پہنچانے کا تھا مگر موقع صرف سَو کو ہی پہنچانے کا ملا تو ثواب تمہیں ہزار کا ہی ہوگا اور اگر ارادہ غیر محدود مخلوق کو فائدہ پہنچانے کا تھا مگر موقع صرف ہزار ہی کو پہنچانے کا ملا تو ثواب بھی غیر محدود کا ہی ہوگا۔ اسی اصل کے ماتحت آنحضرت ﷺ نے فرمایا نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ [۴]۔ پس بدلہ اللہ تعالیٰ عمل کے مطابق نہیں بلکہ نیت کے مطابق دیتا ہے اور اسی لئے انسان غیر محدود کا وارث بنتا ہے۔ انسان جب اپنے جذبات کو رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی صفت کے ماتحت کرلیتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوجاتی ہے کہ ساری دنیا بلکہ سارے عالم کی بہتری کی کوشش کرے لیکن کر ان کیلئے ہی سکتا ہے جس سے اس کا واسطہ پڑے تو وہ مظہر رَبُّ الْعٰلَمِیْن بن جاتا ہے اور اُس وقت تعریف کا مستحق ہوجاتا ہے۔ فرض کرو وہ دس آدمیوں کو فائدہ پہنچا سکتا

ہے مگر اس کی نیت یہ تھی کہ اگر خدا تعالیٰ موقع دے تو دو ارب لوگوں کو فائدہ پہنچائے لیکن اُسے موقع صرف دس کو ہی پہنچانے کا مل سکا تو گیارھویں کو جب اُس کی نیت کا علم ہوگا کہ یہ رات دن اس کوشش میں رہتا تھا کہ اسے فائدہ پہنچائے تو وہ اس کی تعریف کرے گا یا نہیں۔ اور جوں جوں یہ علم پھیلتا جائے گا اس کی تعریف بھی پھیلتی جائے گی اور جو اس کی تعریف نہیں کرے گا وہ صرف اس وجہ سے نہیں کرے گا کہ اسے علم نہیں۔

اس طرح لاَعِلم ہونے کی وجہ سے تعریف نہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی موجود ہیں ان کا تعریف نہ کرنا عدمِ علم کی وجہ سے ہے اگر انہیں پتہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے تو وہ ضرور اُس کی تعریف کریں۔ پس اس طرح جو بندہ نیک نیت ہے اس کے متعلق بھی اگر ساری دنیا کو علم ہو تو سب اُس کی تعریف کریں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن اور رحیم ہے۔ انسان کے پاس جو سامان میسر ہے وہ دوسرے کو دے دیتا ہے اور نیت یہ رکھتا ہے کہ اور ہو تو وہ بھی دے دوں۔ تو اس کے عمل میں جو کوتاہی رہے گی اُسے اس کی نیت پوری کر دے گی۔ پس عمل اور ارادہ مل کر انسان کو خدا تعالیٰ کا مظہر بنا دیتے ہیں جس حد تک عمل چلتا ہے وہاں تک عمل دکھانا پڑتا ہے لیکن جہاں غفلت کی وجہ سے یا وفات کی وجہ سے عمل ختم ہو جاتا ہے وہاں ارادہ اور نیت کمی کو پورا کر دیتا ہے اور وہ شخص حمد کا مستحق ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ عمل تو درست رکھتے ہیں مگر ان کی نیت درست نہیں ہوتی خصوصاً آجکل تو ظاہر داری بہت ہے ایک شخص ملنے آتا ہے تو کہتے ہیں آیئے تشریف لایئے۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں مگر دل میں یہی ہوتا ہے کہ اس نے فلاں موقع پر میرے ساتھ فلاں بات کی تھی اگر موقع ملے تو اس کا گلا گھونٹ دوں۔ عمل تو اچھا ہوتا ہے مگر نیت خراب ہوتی ہے نیت کیلئے ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں ایمان کی کمی کی وجہ سے نیت زیادہ خراب ہے۔ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے جتنے جھگڑے ہیں وہ سب نیت کی خرابی کی وجہ سے ہی ہیں۔ ایک مجلس میں ایک پنڈت صاحب سے ایک مولوی صاحب ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بس آپ کا احسان ہے بیوی بچے آپ ہی کے احسانات کی وجہ سے پلتے ہیں۔ لیکن گھر میں آ کر کہتا ہے کہ یہ بڑا خبیث ہے موقع ملے تو اسے جان سے ماردوں۔ اور ہندو مسلمان سے ملتا ہے تو کہتا ہے کہ ''خان صاحب'' آپ ہی ہمارے اَنْ دَاتا

ہیں لیکن گھر میں جا کر کہتا ہے کہ یہ ''مُسلے'' جب تک ملک سے نہ نکلیں ہمارا ملک آزاد نہیں ہوسکتا۔ گویا عمل تو درست ہے مگر نیت درست نہیں۔ اگر نیت درست ہو تو عمل کی اصلاح آسانی سے ہوسکتی ہے مگر چونکہ نیت کی اصلاح نہیں ہوتی اس لئے عمل کا فائدہ بھی نہیں پہنچتا اور وہ بیماری پھر عَود کر آتی ہے کیونکہ عمل نیت اور ارادہ کے تابع ہوتا ہے۔

پس مَیں جماعت کو آج یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ایک اہم کام ہمارے ذمہ ہے پھر ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کی تعریف ہو۔ ممکن ہے کوئی کہہ دے کہ مجھے تو یہ خواہش نہیں لیکن مجھے تو یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میرے دل میں تو یہ خواہش ضرور ہے کہ جب میں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں تو وہ کہے کہ تُو نے بہت اچھا کام کیا۔ پس میں تو تعریف سے مستغنی نہیں ہوں۔ میرا قلب اتنا فلسفی نہیں اسے کمزوری سمجھ لو یا کچھ، مجھے تو ضرور یہ خواہش رہتی ہے۔ پس اگر تم بھی چاہتے ہو کہ وہ ہستیاں تمہاری تعریف کریں جن کی تعریف قیمتی چیز ہے تو عمل کے ساتھ نیت بھی درست کرو۔ جہاں تک ہوسکے، عمل، قربانی اور ایثار سے کام لو اور پھر نیت درست رکھو۔ اگر ایک پیسہ بھی دے سکتے ہو دے دو لیکن نیت یہ رکھو کہ خدا تعالیٰ دے تو اَن گنت قربانیاں کریں۔ جو شخص ایک روپیہ چندہ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ لعنت ہے ایسے چندہ پر پیچھے پڑ کر لکھوا لیتے ہیں تو ایسا چندہ واقعہ میں ہی لعنت ہے۔ جس کی نیت چھوٹی ہے مگر ظاہر میں عمل بڑا ہے اس کا عمل حقیقتاً چھوٹا ہے لیکن جس کا عمل کم مگر نیت زیادہ ہے اس کا تھوڑا عمل بھی زیادہ ہے۔ جس چندہ کے بعد دل میں یہ ہو کہ میں نے بہت تھوڑا دیا ہے وہ بہت زیادہ ہے لیکن جس چندہ کے بعد دل میں یہ ہو کہ بہت دے دیا ہے وہ کچھ نہیں۔ یا جو شخص تبلیغ کیلئے ایک مہینہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اَور مصیبت آ پڑی ہے پہلے تو کہتے تھے چندے دو مگر اب کہتے ہیں وقت بھی دے دو اور کمائی بھی نہ کرو تو اس کے ذریعہ سے اگر کسی کو ہدایت بھی ہو جائے تو خدا تعالیٰ کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں مگر جو بجائے ایک ماہ کے ایک دن دیتا ہے مگر اس کے دل میں تڑپ یہ ہے کہ موقع ملے تو اور بھی وقت دوں اُس کی نیت عمل کی کمی کو پورا کر دے گی۔ نیت کی کمی کو عمل پورا نہیں کرسکتا مگر عمل کی کمی کو نیت پورا کر دیتی ہے۔ جس طرح ایمان کی کمی کو نمازیں اور روزے پورا نہیں کرسکتے مگر نمازوں اور روزوں میں جو کمی رہ گئی ہو اسے ایمان پورا کر دیتا ہے۔ ظاہری طور پر ہی دیکھ لو کتنے بچے ہیں جو بے حد کریہہ دُبلے پتلے

اور دائم المرض ہوتے ہیں مگر ماں باپ اُن کو چھاتی سے لگائے پھرتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں۔ دنیا میں کتنے ماں باپ ہیں جو کسی غیر کے بچہ کو محض اِس وجہ سے محبت کریں کہ وہ خوبصورت ہے لاکھ میں سے ایک بھی عورت شاید ایسی نہ ہو۔ کہتے ہیں دنیا کی آبادی اِس وقت ڈیڑھ ارب ہے غور کر کے دیکھ لو اِن میں چند ہزار بھی ایسی مائیں نہیں ملیں گی جو دوسرے کے بچہ سے محض خوش شکل ہونے کی وجہ سے اپنے بچہ کی طرح محبت کریں مگر پچاس فیصدی ایسی ہیں جو نہایت ہی بدصورت اور ایسے گندے بچوں کو جنہیں دیکھ کر گھن آتی ہے چھاتی سے لگائے پھرتی ہیں کیونکہ اُن کیلئے اُن کے دل میں اخلاص ہوتا ہے۔ پس معلوم ہؤا کہ ایمان عمل کی کمزوری کو پورا کر دیتا ہے جس طرح محبت ظاہری نقص کو پورا کر دیتی ہے ایسی مثالیں تو بے شمار ہیں کہ بچہ بدصورت ہے مگر ماں جذبۂ محبت کی وجہ سے پیار کرتی ہے مگر ایسی مثال کوئی نہ ملے گی کہ دل میں نفرت ہو اور صرف خوبصورتی کی وجہ سے کوئی عورت بچہ کو پیار کرے۔

پس اگر واقعہ میں آپ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ خدا تعالیٰ کے نزدیک تعریف کے مستحق بنیں تو اعمال کے ساتھ نیت کی بھی اصلاح کریں۔ کسی قربانی پر بھی مطمئن نہ ہوں بلکہ نیت رکھیں کہ اَور بھی کریں۔ اگر تو واقعی آپ کے قلب کی یہی حالت ہے تو سمجھ لیں کہ ٹھیک ہے لیکن اگر یہ خیال ہے کہ بوجھ ہے تو نیت ہی نہیں ساتھ ہی عمل بھی ردّ کر دیا جائے گا۔

سورۃ فاتحہ میں یہ ایک عظیم الشان نکتہ ہے جو سکھایا گیا ہے مؤمن کو چاہئے اس سے فائدہ اُٹھائے اور ساتھ دعا بھی کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے اور نیت کی اصلاح ایسے رنگ میں کر دے کہ ہم اس کی ابدی رحمت اور ابدی جنت کے حقدار ہو جائیں تا خدا تعالیٰ سے ہمارا تعلق حقیقی ہو عارضی اور غیر حقیقی نہ ہو۔

(الفضل ۱۳۱/۱اکتوبر۱۹۳۶ء)

---

۱ البقرۃ: ۲۶۱

۲

۳ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الممتحنۃ باب لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ

۴ المعجم الکبیر جلد۶ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ عراق ۱۹۷۹ء